حصہ اوّل

پہلی تحریر:

# زکوٰۃ سے متعلق چند تصریحات

(ترجمان القرآن، ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ/ستمبر ۱۹۵۴ء)

**سوال:** جماعت اسلامی کے بیت المال کی وساطت سے جس طرح زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم ہوتی ہے، اس پر بعض اوقات دو اعتراض وارد کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم جماعتی کاموں پر خرچ کر دی جاتی ہیں اور صاحبِ نصاب کارکنوں کو معاوضے اور تنخواہیں وغیرہ بھی اس مدّ میں سے دے دی جاتی ہیں، حالانکہ یہ زکوٰۃ کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زکوٰۃ کی صحیح ادائیگی کے لیے تملیک لازمی شرط ہے، یعنی جب تک زکوٰۃ دینے والا کسی مستحق شخص یا اشخاص کو زکوٰۃ کا کلیتاً مالک و متصرف نہ بنا دے اُس وقت تک صحیح معنوں میں زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوتی۔ چونکہ جماعت کے بیت المال میں زکوٰۃ دیتے وقت کسی متعین فرد کو زکوٰۃ نہیں دی جاتی، اس لیے یہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحیح شکل نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ ان اعتراضات کی حقیقت کو واضح کیا جائے کہ یہ صحیح ہیں یا غلط؟ اور مسئلۂ تملیک کے علاوہ اس امر کی بھی وضاحت کی جائے کہ جماعتی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**جواب:** زکوٰۃ کے مستحق از روئے قرآن یہ ہیں: فقراء، مساکین، عاملینِ زکوٰۃ، مؤلفۃ القلوب، الرقاب (غلام، قیدی وغیرہ)، الغارمین (ناگہانی قرض یا خسارے کے زیر بار)، فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) اور ابن السبیل (مسافر)۔ جماعت اسلامی کے بیت المال میں زکوٰۃ کی جو رقوم آتی ہیں ان میں سے فقراء، مساکین اور غارمین کی مدّ کے تحت عام غیر مستطیع مسلمانوں کو بھی زکوٰۃ دی جاتی ہے اور فی سبیل اللہ کی مدّ میں سے جماعت کے مختلف مصارف میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جاتی ہے۔ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد عام طور پر قتال فی سبیل اللہ مراد لیا جاتا ہے اور اس کا مصرف یہ بتایا جاتا ہے کہ جن مجاہدین کے ساز و سامان کا باقاعدہ انتظام نہ ہو انہیں سامانِ جہاد کی فراہمی کے لیے اس مدّ میں سے زکوٰۃ دی جانی چاہیے۔ لیکن قرآن مجید، احادیث و آثار اور اقوالِ ائمہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ

فی سبیل اللہ کا مفہوم اتنا محدود اور مخصوص نہیں جتنا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔

قرآن مجید نے "فی سبیل اللہ" کی مد بیان کرتے وقت قتال کی قید نہیں لگائی' حالانکہ اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے دوسرے مقامات پر بالعموم جہاد فی سبیل اللہ' قتال فی سبیل اللہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ دوسری طرف قرآن مجید میں جہاں صرف فی سبیل اللہ کا لفظ آیا ہے وہاں اس کے معنی کو عام رکھا گیا ہے اور اسے مطلقاً جہاد یا قتال کے لیے استعمال نہیں کیا گیا۔ اسی طرح قتال کے علاوہ اطاعتِ الٰہی کے بہت سے ایسے کام ہیں جن کے ساتھ فی سبیل اللہ کی صفت لگائی گی ہے۔ احادیث میں سے جس حدیث سے بالخصوص یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد قتال فی سبیل اللہ ہے' وہ ابوداؤد' احمد اور حاکم کی یہ حدیث ہے:

((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْ لِغَارِمٍ ...... الخ))

"صدقہ کسی غنی کے لیے جائز نہیں الا یہ کہ وہ اللہ کی راہ کا غازی ہو' یا زکوٰۃ کے سلسلے میں کارکن ہو یا مقروض و غارم ہو"۔

اس حدیث سے بلاشبہ یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ غازیٔ غنی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے' لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی سبیل اللہ کی مد سے صرف مجاہدین بالسیف ہی حصہ پا سکتے ہیں۔ بعض دوسری احادیث ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس مد میں سے حاجیوں کو زکوٰۃ کے اونٹوں سے استفادے کی اجازت دی ہے' چنانچہ اسی بنا پر فقہائے حنفیہ میں سے امام محمد' امام ابو یوسف اور حسن ﷭ فی سبیل اللہ کی مد سے حاجیوں کے زاد و راحلہ کا انتظام جائز قرار دیتے ہیں۔ بلکہ کتاب الخراج کی ایک عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف نے اس مد کا مصرف "اصلاح طرق مسلمین" (سڑکوں کی مرمت) قرار دے کر اسے وسیع تر کر دیا ہے۔ اس مسلک کی تائید ایک صحابیؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے جو کتاب الاموال لابی عبید کے ص ۶۷۵ پر منقول ہے' اور وہ یہ ہے:

عن انس بن مالك والحسن قالا ما اعطيتَ فی الجسور والطرق فهی صدقة ماضية وقال اسماعيل انها تجزی من الزكوٰة

"انسؓ بن مالک اور حسنؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تو پلوں اور سڑکوں کے لیے دے وہ بھی صدقہ ہے اور اسماعیل نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی"۔

شامی' جلد۲' ص ۲۵ میں طلبہ کو بھی ''فی سبیل اللہ'' میں شمار کیا گیا ہے' خواہ وہ صاحبِ نصاب ہوں۔ علامہ آلوسی حنفی اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں حنفیہ کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قیل المراد طلبة العلم واقتصر علیه فی الفتاوی الظهیریة وفسّره فی البدائع بجمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة الله تعالیٰ وسبل الخیرات

''اس سے طالب علم بھی مراد لیے گئے ہیں۔ فتاویٰ ظہیریہ میں اس مدّ کو طلبہ تک ہی محدود کیا گیا ہے' لیکن بدائع الصنائع میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس میں اللہ سے قریب لانے والے سارے کام شامل ہیں۔ چنانچہ جو کوئی اللہ کی اطاعت اور بھلائی کے راستے میں دوڑ دھوپ کرے گا وہ اس میں داخل ہے۔''

احناف کے علاوہ دیگر مذاہب بھی اس مدّ کو مقاتلین تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اس میں وسعت کے قائل ہیں۔ چنانچہ ابن عربی مالکی ''احکام القرآن'' میں فی سبیل اللہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

قال مالکٌ سبل الله کثیر ۔ احمد واسحاق قالا انه الحج والذی یصحّ عندی من قولهما ان الحج من جملة السبل مع الغزو

''امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سُبل اللہ یعنی اللہ کے راستے بہت سے ہیں۔ احمد اور اسحاق نے فرمایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد حج ہے۔ لیکن میرے نزدیک ان کے قول کا صحیح مطلب یہ ہے کہ حج بھی جہاد کی طرح اللہ کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے''۔

دیارِ ہند و پاکستان کے متعدد علماء نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد دین کے تحت ساری علمی و عملی سرگرمیاں ہیں۔ چنانچہ سیرت النبیؐ جلد ۵ میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم فرماتے ہیں کہ ''اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا ہے' مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اوپر آیت گزر چکی ہے: ﴿لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ یہاں ''فی سبیل اللہ'' سے مراد بالاتفاق جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دین کا کام مراد ہے۔'' مولانا عبدالصمد رحمانی (امارت شرعیہ بہار) نے اپنی ایک تالیف ''کتاب العشر والزکوٰۃ'' کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے بھی فی سبیل اللہ کی مدّ میں ایسے لوگوں کو شمار کیا ہے جو دین

کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

جماعت اسلامی کے اہل علم کا مسلک اس بارے میں اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے جو مولانا مودودی نے مولانا اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن صاحب کے مشورے سے حکومت کے ایک سوالنامے کے جواب میں ترجمان میں دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ''فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے خواہ وہ تلوار سے ہو یا قلم وزبان سے یا ہاتھ پاؤں کی دوڑ دھوپ اور محنت سے۔ سلف کے نزدیک اس کا مفہوم ان مساعی تک محدود ہے جو خدا کے دین کو قائم کرنے' اس کی اشاعت کرنے اور اسلامی ممالک کا دفاع کرنے کے لیے کی جائیں''۔

جماعت اسلامی کا مقصدِ وحید اقامتِ دین ہے اور جماعت پوری کوشش کرتی ہے کہ اس کی اور اس کے کارکنوں کی سرگرمیاں اسی مقصد کے لیے وقف رہیں۔ مخیّر حضرات کا بھی یہ کام ہے کہ وہ اپنی جگہ پر اس امر کا اطمینان کر لیں کہ آیا اس جماعت کے متفرق اور متنوّع مشاغل اقامتِ دین اور فی سبیل اللہ کی تعریف میں آتے ہیں یا نہیں۔ اگر انہیں یہ اطمینان حاصل ہو جائے تو وہ اپنی زکوٰۃ جماعت کے بیت المال میں جمع کرا سکتے ہیں اور اگر یہ اطمینان حاصل نہ ہو تو وہ مختار ہیں' جہاں چاہیں اپنی زکوٰۃ دیں۔

جو اعتراض تملیک کے سلسلے میں کیا جاتا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک شخصی تملیک ادائے زکوٰۃ کے لیے شرطِ لازم نہیں ہے۔ عموماً لِلْفُقَرَاءِ کے ''لام'' کو لامِ تملیک قرار دے کر اس سے وجوبِ تملیک کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے' مگر کلامِ عرب میں حرفِ لام صرف انہی معنوں میں استعمال نہیں ہوتا' بلکہ یہ حرف کئی مرتبہ تملیک کے بجائے انتفاع کے معنی دیتا ہے' مثلاً: ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾ (الآیۃ)۔ پھر تملیکِ شخصی کی شرط کو اگر ضروری بھی سمجھا جائے تو یہ اسی صورت میں ممکن العمل ہے جبکہ مسلمانوں کی کوئی ایسی ہیئت حاکمہ یا ہیئتِ اجتماعیہ موجود نہ ہو جو ساری زکوٰۃ کو وصول کرتی ہو۔ لیکن ایک اسلامی حکومت کے بیت المال میں جب زکوٰۃ اپنی مطلوب اور مشروع شکل میں ادا کی جاتی ہے تو ایسی صورت میں شخصی تملیک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر اگر اجتماعی حیثیت میں زکوٰۃ کی وصولی کے بعد ایک اسلامی حکومت زکوٰۃ کو کسی ایسے اجتماعی مصرف میں لگا دے جس کا فائدہ بحیثیت مجموعی مستحقین کو پہنچے تو یہ بھی زکوٰۃ کی تقسیم کی ایک بالکل جائز شکل ہوگی۔ اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں اگر مسلمانوں کا کوئی دینی وملی ادارہ اسی طرز پر زکوٰۃ کی اجتماعی تحصیل وتقسیم کا انتظام کرے تو شرعاً اس پر بھی کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر

ہے کہ جماعت اسلامی کے علاوہ اور بھی بہت سی جماعتیں اور ادارے بھی اپنی ہر طرح کی ضروریات پر زکوٰۃ کی رقوم اُسی طرح خرچ کرتے ہیں جس طرح جماعت اسلامی خرچ کرتی ہے' لیکن ان میں سے بعض کے نزدیک انفرادی تملیک شرط ہے۔ چنانچہ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے زکوٰۃ آنے پر پہلے اسے ادارے کے نادار افراد کے سپرد کیا جاتا ہے اور پھر فوراً ان سے لے کر اجتماعی فنڈ میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حیلہ ایک غیر ضروری اور خواہ مخواہ کا تکلف ہے اور اس میں تملیک کی صورت سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ لین دین پہلے سے طے شدہ اور بالکل نمائشی ہوتا ہے' دائمی اور حقیقی تملیک ہرگز مقصود نہیں ہوتی۔

یہاں ایک اور بات کو بھی صاف کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے سوالات سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں زکوٰۃ ہر حالت میں اُسی کو دی جانی چاہیے جو صاحبِ نصاب نہ ہو۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ قید فقیر و مسکین کے لیے تو ایک حد تک درست ہے' لیکن دوسری مدّات میں بھی اگر یہ شرط لازم ٹھہرا دی جائے تو پھر مزید چھ مدّات کو الگ الگ رکھنے کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے' کیونکہ جو صاحبِ نصاب نہیں ہوگا وہ بہرحال فقراء و مساکین کے زمرے میں داخل ہو کر مستحقِ زکوٰۃ ہو ہی جائے گا۔ اس کے لیے کسی دوسری بنائے استحقاق کے ذکر کرنے یا ملحوظ رکھنے کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر ایک آدمی کو ایک سے زائد وجوہ زکوٰۃ کا حق دار بنا دیں تو بلاشبہ اس کا حق فائق ہوگا۔ لیکن یہ امر تو احادیث سے بصراحت ثابت ہے کہ فقر و مسکنت کے علاوہ دوسری منصوص صفات جس شخص کو مستحق زکوٰۃ بناتی ہیں وہ شخص صاحبِ نصاب اور غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس سلسلے کی ایک حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

آخر میں یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ جماعت اسلامی کے بیت المال کا واحد ذریعۂ آمدنی نہیں ہے۔ جماعت کی آمد کے متعدد ذرائع ہیں' ان میں کتب و رسائل کی آمدنی بھی ہے' ارکان و متفقین کی خصوصی اعانتیں بھی ہیں اور عام اہل خیر کے عطیات بھی ہیں۔ اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ جماعت کے بالمعاوضہ کارکن اپنی تنخواہیں زکوٰۃ سے لے رہے ہیں یا جماعت کے دوسرے سارے کام زکوٰۃ کے بل پر چل رہے ہیں۔ اب تو بفضلہٖ یہ صورت ہے کہ متعدد بڑے بڑے شہروں میں خیراتی شفاخانے قائم ہیں اور زکوٰۃ و صدقات زیادہ تر ان پر صرف ہو رہے ہیں۔ بیت المال میں اگر زکوٰۃ آتی ہے تو اس کا

باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے اور اعانتِ فقراء و مساکین پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس کا بھی الگ حساب رکھا جاتا ہے۔ جماعت کے دیگر مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ زکوٰۃ کی بقیہ رقم اگر ان میں خرچ ہو تب بھی وہ ان مصارف کا ایک معمولی جزو بنتی ہے۔ اس لیے اس امر کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہتا کہ زکوٰۃ اپنے صحیح مصرف میں خرچ نہ ہو۔

## ''زکوٰۃ سے متعلق تصریحات'' پر استدراک

(ترجمان القرآن' صفر ۱۳۷۴ھ/ نومبر ۱۹۵۴ء)

قارئینِ ترجمان میں سے ایک صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

''رسائل و مسائل کے باب میں ذی الحجہ ۷۳ھ کے پرچے میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کرتے ہوئے دو کتابوں کے حوالہ جات تحریر کیے گئے ہیں۔ دونوں میں آپ نے کچھ لفظ کاٹ دیے ہیں۔ ''روح المعانی'' کی عبارت میں لفظ ''فقیر'' کاٹ دیا ہے اور ''بدائع الصنائع'' کے حوالے میں لفظ 'محتاج'' کاٹ دیا ہے۔ نظر ثانی فرما کر تصحیح فرمائیں''۔

ہم صاحب خط کے توجہ دلانے پر اُن کے شکر گزار ہیں لیکن ان کی شکایت غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ جہاں تک ''بدائع الصنائع'' کے حوالے کا تعلق ہے وہ ہم نے الگ اصل کتاب سے نقل نہیں کیا تھا' بلکہ ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں صاحب روح المعانی نے جو اقوال نقل کیے ہیں ہم نے طولِ بحث سے بچتے ہوئے ان میں سے چند ایک کو نقل کر دیا تھا۔ انہی میں سے ایک قول صاحب البدائع کا بھی تھا۔ خط آنے پر جب اصل کتاب ''بدائع'' کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں ''فی سبیل اللہ'' کی تعریف کے ساتھ اذا کان محتاجًا کے لفظ تھے' مگر روح المعانی میں یہ الفاظ نقل نہیں کیے گئے اور اسی وجہ سے ہمارے حوالے میں بھی یہ الفاظ درج نہیں ہو سکے۔ ہم نے قصداً کسی لفظ کو کاٹنے یا چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح روح المعانی کا بقیہ حوالہ جتنا ہم نے نقل کیا ہے اُس میں سے ہم نے کوئی لفظ کاٹا نہیں تھا۔ البتہ البحر' النہایہ اور احکام القرآن کے حوالوں کو بھی ہم نے صرف اختصار کے پیش نظر حذف کر دیا تھا۔ ان سارے حوالوں کے نقل نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جس مقام پر انہیں نقل کیا جا رہا تھا وہاں اصل چیز جو معرضِ بحث تھی وہ یہ تھی کہ آیا ''فی سبیل اللہ'' سے مراد محض قتال فی سبیل اللہ ہے یا اس میں نیکی اور بھلائی کے دوسرے کام بھی شامل ہیں۔ اس لیے جو حوالے براہِ راست اس بحث سے متعلق تھے اُن میں سے چند ایک کو نقل کر دیا گیا اور بقیہ کو چھوڑ دیا گیا۔

یہاں ہم مکتوب نگار کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ فقہائے احناف نے بالعموم فقراء و مساکین کی مدّات کے علاوہ دیگر مدّات کے ساتھ بھی فقر و احتیاج کی جو قید لگائی ہے' اگر اس سے یہ مراد لیا جائے کہ مثلاً ایک شخص ایک کام جو ''فی سبیل اللہ'' کے تحت ہے یا حج یا جہاد پر جانا چاہتا ہے اُس کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ نصاب بھی نہ ہو تو ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے۔ بلاشبہ کتبِ حنفیہ کو دیکھنے سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ اس بارے میں حنفیہ اور شافعیہ میں کچھ اختلاف ہے اور شافعیہ فی سبیل اللہ اور ابن السبیل وغیرہ کی مدّات میں سے غنی اور غیر محتاج کو دینا بھی جائز سمجھتے ہیں اور حنفیہ شرطِ احتیاج کو لازم قرار دیتے ہیں۔ لیکن احناف کے مسلک کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ کا حق دار بننے کے لیے جس قسم کی حاجت مندی کی قید وہ فقراء و مساکین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے عائد کرتے ہیں' وہ حاجت اس طرح کی نہیں ہے جس طرح کی فقیر یا مسکین کو گھر بیٹھے بھی لاحق ہوتی ہے' بلکہ وہ حاجت ایسی ہے جو ''اللہ کی راہ میں'' ہی لاحق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص گھر میں کھاتا پیتا ہے' فقیر اور محتاج نہیں ہے' بلکہ اس کی زندگی کی ساری ضروریات فراہم ہو رہی ہیں۔ یہی شخص اگر جہاد میں جانا چاہتا ہے' حج پر جانا چاہتا ہے' یا اللہ کی راہ میں اور ''سبل الخیرات'' کے سلسلے میں کوئی اور جدوجہد کرنا چاہتا ہے تو عین ممکن ہے کہ ان کاموں کی انجام دہی کے لیے جس سروسامان اور جن وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے انہیں وہ از خود مہیا نہ کر سکتا ہو۔ ایسا شخص فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مستحقِ زکوٰۃ ہے۔ درحقیقت ایسا شخص ایک جہت سے غنی اور ایک جہت سے محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ اسے محتاج قرار دے کر زکوٰۃ کا حق دار سمجھتے ہیں اور شافعیہ اسے غنی قرار دے کر بھی اس کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز قرار دیتے ہیں۔ اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو فقہاء کی نزاع لفظی رہ جاتی ہے اور احناف اور دیگر فقہاء کے مابین کوئی حقیقی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

اگر دوبارہ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو احکام القرآن اور خصوصاً بدائع الصنائع کی وہ پوری بحث نقل کر دی جاتی جو مذکورہ بالا تشریح کی تائید کرتی ہے۔ بہرکیف مسلک حنفی میں فقراء و مساکین کے دوسری مدّات کے ساتھ احتیاج کی جو قید لگائی گئی ہے اس کی صحیح تاویل یہی ہے۔ اگر اس کی اور تاویل کی جائے گی تو وہ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ...... الخ والی حدیث کے خلاف پڑے گی۔ (غ۔ع)

❂ ❂ ❂